روایت ایک تو غیر صحیح اور غیر صریح اور دوسری طرف صحیح اور صریح احادیث کے خلاف ہے۔

امام ترمذی کی تحسین کی حقیقت

صفحہ ۹۰:......دوسرے فائدہ میں لکھتے ہیں کہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

جواب: ...... **اوّلاً**: امام ترمذی کی تحسین کے خلاف دیگر ناقدین سے تضعیف منقول ہے خود ترمذی اس مقام پر ابن مبارک جوان سے مقدم ہیں اور دو واسطوں سے ان کے استاد ہیں ان سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت غیر ثابت ہے۔ لہٰذا بڑی جماعت کے سامنے صرف امام ترمذی کی تحسین کافی نہیں ہے۔

ثانیاً: ......امام ترمذی کی تحسین علی الاطلاق معتبر نہیں ہے۔ بلکہ قبل تحقیق و تنقیح ہے۔ حافظ ذہبی میزان الاعتدال (صفحہ ۳۰۷ ج ۳) میں لکھتے ہیں کہ "یحییٰ بن یمان عن المنها ل بن خلیفة قال البخاری فیه نظر عن حجاج بن ارطاة عن عطاء عن ابن عباس ان النبی ﷺ دخل قبرا لیلا فاسرج له سراج حسنه (التر مذی) مع ضعف ثلاث فیه فلا یغتر بتحسین التر مذی فهٰذا المحاقة عالبها ضعاف (یعنی یحیٰی بن یمان۔ منهال بن خلیفہ سے امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس میں نظر ہے۔ حجاج بن ارطاۃ سے وہ عطاء سے وہ ابن عباس سے بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ رات کو قبرستان میں داخل ہوئے آپ کے لیے چراغ جلایا گیا۔ اس کو (ترمذی) حسن کہا ہے اس میں تین ضعف ہیں امام ترمذی کی اس تحسین سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے) نیز صفحہ ۴۳ ج ۳ میں ہے "حسین بن عبدالاول حدثنا محمد بن ابی یزید الهمدانی حدثنا عمرو بن قیس بن عطیة عن ابی سعید مر فو عا یقول الله من شغله القرآن عن دعا ئی ومسئلتی ، اعطیته افضل ثواب الشاکرین حسنه الترمذی فلم یحسن" (یعنی ابوسعید مرفوع بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کو قرآن نے دعا کرنے اور سوال کرنے سے مشغول کر دیا اس کو شاکرین کا افضل ثواب عطاء کروں گا امام ترمذی نے حسن کہا لیکن حسن نہیں ہے) نیز صفحہ ۳۵۷ ج ۲ میں کثیر بن عبداللہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ واما التر مذی فر و ی من حدیثه الصلح جائز بین المسلمین وصححه فلهٰذا لا یعتمد العلماء علی تصحیح التر مذی (یعنی امام ترمذی نے ان سے روایت بیان کی کہ مسلمانوں کے درمیان صلح کروانا جائز ہے اور صحیح کہا ہے اس وجہ سے علماء ترمذی کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے) اور علامہ زیلعی حنفی نصب الرایہ صفحہ ۲۰۰ ج ۲ میں لکھتے ہیں۔ روی الترمذی من حدیث المنهال بن خلیفة ...... قال حدیث حسن وانکر علیه لان مداره علی الحجاج بن ارطاة وهو

مدلس لم يذكر سماعاً وقال ابن القطان ومنهال بن خليفة ضعفه ابن معين وقال البخاری رحمه الله فيه نظر (یعنی امام ترمذی نے منہال بن خلیفہ سے روایت بیان کی اور کہا حدیث حسن ہے اس پر انکار کیا گیا، کیونکہ اس حدیث کا دار و مدار حجاج بن ارطاۃ پر ہے وہ مدلس ہے اس کا سماع مذکور نہیں اور ابن قطان کہتے ہیں کہ منہال بن خلیفہ کو ابن معین اور امام بخاری نے ضعیف کہا ہے اور اس میں نظر ہے) ظاہر ہوا کہ امام ترمذی کا کسی حدیث کو حسن یا صحیح کہنا بغیر تفکر و تدبر کے قابل قبول نہیں ہے۔ کیونکہ عام طور پر تحقیق کے بعد منکشف ہوتا ہے کہ حقیقت اس کے خلاف ہے اسی وجہ سے علماء کا طبقہ ان کی تصحیح یا تحسین پر بغیر تحقیق اعتماد نہیں کرتا اور نہ صرف ان کے حسن کہنے سے اس روایت کا قابل حجت ہونا لازم آتا ہے۔ حافظ ابن حجر النکت صفحہ ۹۴ قلمی اور صفحہ ۴۶ المصور میں فرماتے ہیں کہ "ان الحديث اذا وصفه الترمذی بالحسن لا يلزم ان يحتج به" (یعنی امام ترمذی جب حسن کا وصف بیان کریں تو اس سے حجت لینا لازم نہیں ہے) بلکہ ان کی تصحیح یا تحسین اس وقت معتبر ہوگی جب اس کے خلاف دوسرا کوئی محقق نہ ہو اور اس روایت میں کوئی ایسا عیب یا علت نہ ہو جو اس کو ضعیف بنائے۔ بخالف ما نحن فيه کیونکہ مولوی صاحب کی نقل کردہ روایت میں دونوں شرائط مفقود ہیں کیونکہ کئی کبار محدثین اس کو ضعیف کہتے ہیں جن میں بخاری، ابو حاتم اور احمد بن حنبل وغیرھم جیسے نقاد بھی ہیں اور اس طرح اس میں ایک کے بجائے کئی علتیں ہیں جو اس کو باطل بناتی ہیں وهو الثالث.

رابعاً:...... امام ترمذی کئی ضعف والی روایات کو بھی حسن کہتے ہیں مثلاً راوی مستور ہو یا سئ الحفظ ہو یا کثیر الخطأ ہو۔ یا جس کا آخر میں حافظہ بدل چکا ہو۔ یا مدلس راوی ہو یا سند میں انقطاع ہو۔ ان سب حالتوں میں روایت کو حسن کہتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر نے النکت صفحہ ۱۸ قلمی اور صفحہ ۷۳ المصور میں ذکر کرتے ہیں اور اس کے لیے کئی مثالیں ذکر کی ہیں، پھر ثابت ہوا کہ امام ترمذی کا کسی روایت کو صرف حسن کہنا جس طرح یہاں پر ہے یہ عام محدثین کی اصطلاح کے مطابق تحسین نہیں ہے یعنی اس کو مصطلح اور اصول میں حسن کہا جائے۔ بلکہ ان کی اپنی خاص اصطلاح ہے جس طرح حافظ ابن حجر شرح النخبہ صفحہ ۳۵ میں فرماتے ہیں کہ "ان الترمذی لم يعرف الحسن مطلقا وانما عرف بنوع خاص منه وقع فی كتابه" (یعنی امام ترمذی کی حسن مطلق معروف نہیں بلکہ وہ ان کی ایک خاص نوع ہے جو ان کی کتاب میں ہے) وهو الخامس.

سادساً:...... امام ترمذی کی حسن سے جو مراد ہے وہ اصطلاح خود بیان کرتے ہیں "وما ذكرنا فی هذا الكتاب حديث حسن فانما اردنا حسن اسناده، عندنا كل حديث يروى لا يكون

فی اسناده من یتهم بالکذب ولا یکون الحدیث شاذا ویروی من غیر وجه نحو ذالك فهو عند نا حدیث حسن (کتاب العلل الصغیر الملحق مع السنن صفحه ۲۴۰ ج ۲) ثابت ہوا کہ اصطلاح حسن مراد نہیں ہے۔ حالانکہ حسن اصطلاحی کی تعریف اس طرح ہے۔ شرح النخبہ صفحہ ۲۴ میں ہے "وخبر الآحاد بنقل عدل تام الضبط متصل السند غیر معلل ولا شاذ هو صحیح لذاته" (یعنی اور خبر آحاد جس کو نقل کرنے والا عادل تام الضبط ہو، سند متصل اور بغیر علل کے اور شاذ نہ ہو وہ صحیح لذاتہ ہے) اور صفحہ ۳۲ پر لکھتے ہیں "فان خف الضبط ای قل یقال خف القوم خفوا فاقلوا والمراد مع بقیة الشروط المقدمة فی حد الصحیح فهو الحسن لذاته" (یعنی اگر ضبط خفیف ہو یعنی قلیل ہو۔ کہا جاتا ہے تو خفیف ہوئی یعنی قلیل ہوئی اور اس سے مراد باقی تمام شرائط جو صحیح کی گذرے ہیں وہ موجود ہو تو وہ حسن لذاتہ ہے) یہ ہے حسن کی تعریف جس کو حجت سمجھا جاتا ہے۔ امام ترمذی کی یہ مراد نہیں ہے بلکہ ان کی خاص اصطلاح ہے اور ان کی یہ حسن ضعیف کے منافی نہیں ہے۔

سابعاً: ......امام ترمذی کی پہلی شرط کہ اس میں کوئی جھوٹا راوی نہ ہو۔ جس پر جھوٹ کی تہمت لگی ہو۔ جس کا مطلب ہے کہ کثیر الغلط یا فاحش الخطاء جس کی حدیث پر وہم غالب ہو تو وہ بھی حسن ہے۔ حافظ ابن رجب شرح علل ترمذی صفحہ ۲۸۸ پر فرماتے ہیں "وقد تقدم ان الرواة منهم من یتهم بالکذب و منهم من یغلبه علی حدیثه الو هم والغلط ومنهم الثقة الذی یقل غلطه ومنهم الثقة الذی یکثر غلطه فعلی ما ذکر ه التر مذی کلما کان فی اسناده متهم فلیس بحسن بشر ط ان لا یکون شاذا" (یعنی یہ بات گذری کہ راویوں میں سے ایسے بھی ہیں جو متہم بالکذب ہیں اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جن پر ان کی احادیث پر ان کی غلطیاں اور وہم غالب ہے۔ ان میں وہ ثقہ جن کی غلطیاں کم ہیں اور ایسے بھی ثقہ ہیں جن کی غلطیاں زیادہ ہیں۔ امام ترمذی نے جو ذکر کیا کہ جب ان کی سند میں متہم بالکذب ہوگا وہ حسن اس شرط سے نہ ہوگی کہ وہ شاذ نہیں ہے) حالانکہ فاحش الغلط اور کثیر الخطأ راوی ضعیف ہوتا ہے اور اس کی روایت حسن نہیں ہوتی۔ بلکہ ضعیف شمار ہوتی ہے شرح النخبہ صفحہ ۵۹ میں ہے "فمن فحش غلطه او کثرت غفلته او ظهر فسقه فحدیثه منکر" (یعنی جس کی غلطیاں فحش۔ کثرت غفلت ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو اس کی حدیث منکر ہوتی ہے) نیز اس کی روایت کو مردود کی اقسام میں شمار کرتے ہیں لہٰذا امام ترمذی کا اس کو حسن کہنے سے لغایت یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب نہیں۔ لیکن ایسی کوئی نفی نہیں کہ اس میں کوئی راوی متکلم فیہ اور مجروح قطعاً نہیں اس وجہ سے کہ اس کے ایک راوی عاصم بن کلیب کو اس روایت میں بالکل حجت نہیں سمجھا گیا جس میں وہ اکیلا اور منفرد ہو۔

لہٰذا امام ترمذی کی تحسین اس روایت کو قابل حجت بنانے کے لیے نہیں ہے یہ بھی اس وقت جب یہ قبول کیا جائے کہ اس میں کوئی راوی متہم بالکذب نہیں حالانکہ اس بات سے اختلاف ہوسکتا ہے کیونکہ ہم یہ اندیشہ بیان کر چکے ہیں کہ بعید نہیں کہ محمد بن جابر یمامی کا اس میں تصرف ہو اور وہ متہم بالکذب ہے۔ لہٰذا یہ شرط قطعی طور پر مکمل نہیں ملتی۔ کیونکہ یہ ضمانت نہیں کہ اس کی سند میں کوئی راوی متہم بالکذب نہیں ہے۔ وھو الثامن .

تاسعاً: ...... امام ترمذی کی دوسری شرط کہ یہ روایت شاذ نہ ہو۔ یہ بات بھی اس کے حسن ہونے کو مستلزم نہیں ہے۔ کیونکہ روایت کے ضعیف ہونے کے لیے صرف یہی ایک سبب نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کئی اور بھی اسباب ہیں۔ مثلاً کوئی راوی اس میں ضعیف ہو یا ایسا ہو جس کا تفرد حجت نہیں ہے۔ جیسا کہ یہ روایت ہے لہٰذا اگر یہ روایت قبول کی جائے اور کہا جائے کہ ابن مسعود کی یہ روایت شاذ نہیں ہے تب بھی اصطلاحی حسن نہیں ہوسکتی لیکن اوپر امام بخاری جو امام ترمذی کے استاد ہیں۔ ان سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ روایت شاذ بھی ہے جس کی تائید امام احمد اور دیگر ائمہ نے بھی کی ہے کما تقدم اس وجہ سے یہ شرط بھی یہاں پر مفقود ہے اور بعید نہیں ہے کہ امام ترمذی کو اس کا شذوذ معلوم نہ ہوسکا ہو۔ لیکن امام بخاری اور دیگر کو معلوم ہے ومن عرف الشيء حجة على من لم يعرفه وهو العاشر .

الحادی عشر: ...... امام ترمذی کی تیسری شرط یہ ہے کہ اس کی سندیں ایک سے زائد ہوں لیکن اس مقام پر صرف ایک سند ہے یعنی عاصم بن کلیب والی دوسری محمد بن جابر یمامی والی۔ لیکن جیسا کہ ہم نے یہاں پر اندیشہ ظاہر کیا کہ اس کا اس روایت میں ہاتھ ہوسکتا ہے۔ لہٰذا یہ سند ایک ہی کہی جائے گی۔ بصورت دیگر اگر یہ سند جدا بھی تسلیم کی جائے تب بھی کچھ فائدہ نہ دے گی۔ کیونکہ یہ راوی (محمد بن جابر) سخت ضعیف ہے لہٰذا یہ روایت شہادت اور تائید کے لیے کارگر نہیں ہے۔ کما تقرر فی الاصول۔ لہٰذا یہ سند کالعدم کہی جائے گی۔ اور یہ عاصم بن کلیب والی ایک سند ہے لہٰذا ایک سے زائد سندیں یا من غیر وجہ والا سوال ہی نہ رہا اور اس وجہ کے لیے بھی یہ روایت مصداق نہیں بن سکتی۔

الحاصل: ...... امام ترمذی کا "هذا حديث حسن" کہنے سے اصطلاحی حسن مراد نہیں ہے جس وجہ سے ان کے نزدیک بھی ضعیف ہوسکتی ہے بلکہ ان کی خاص اصطلاح ہے وہ بھی اس پر پوری طرح صادق نہیں آرہی جس وجہ سے عام محدثین کا حکم اس کے خلاف ہے اور یہی راجح ہے وهو الثاني عشر .